شناخت اسلامی اور علامہ اقبالؒ

ڈاکٹر سید محمد اکرم اکرام

مسلمان کی سب سے بڑی شناخت اسلام ہے، یعنی وہ نظام حیات جس کا بنیادی مقصد انسان کی تعظیم وتکریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا(وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِی آدَمَ)[1]، یعنی ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے، دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو پیدا کیا تو ملائکہ کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ چنانچہ سب نے سجدہ کیا، ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اسے مردود قرار دے دیا۔ یہ تعظیم وتکریم مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہے۔ ملائکہ نے جب آدم کو سجدہ کیا تو حوّا اس وقت آدم ہی کے وجود کا حصہ تھی۔ اس کا وجود ابھی علیحدہ نہیں تھا۔ ملائکہ نے انسان کے جس بڑے گناہ کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ روے زمین پر فتنہ انگیزی اور خون ریزی کا عمل تھا۔ انہوں نے کہا تھا(یُفْسِدُ فِیْهاَ وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ)[2] وہ اس میں فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا، گویا ملائکہ کی نظر میں فساد اور قتل سب سے زیادہ خوفناک عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے انسان کی ہدایت کے لیے انبیاء علیہم السلام کا عظیم سلسلہ جاری فرمایا، چونکہ رحمت، اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، جیسا کہ فرمایا (کَتَبَ عَلَیٰ نَفْسِهِ الرَّحمَةِ) اس یعنی اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے اوپر واجب ٹھہرالیا ہے، چنانچہ اس نے اپنے تمام انبیاءؑ کو بھی صفت رحمت سے خاص طور پر ممتاز فرمایا۔ اس صفت کا اعلیٰ ترین اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات میں ہوا جن کو تمام انسانوں اور تمام جہانوں کے لیے سراپا رحمت قرار دیتے ہوئے فرمایا(وَمَا اَرسَلنَاكَ اِلَّا رَحمَةَ لِّلعَالَمِین)[3]، یعنی ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے ذریعہ رحمت بنا دیا ہے، علامہ اقبال تخلیق، تقدیر اور ہدایت کے عمل کو ابتدا اور رحمۃ للعالمینی کو شرف انسانی

کی معراج گردانتے ہوئے کہتے ہیں۔

خلق وتقدیر وہدایت ابتدا ست　　رحمۃ للعالمینی انتہا ست

(جاوید نامہ)

نبی علیہ السلام پر دشمنوں نے زندگی بھر تلواریں اٹھائے رکھیں۔ پتھر برسائے اور آپ کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا، لیکن جب آپ ان پر غالب آئے تو آپؐ نے کمالِ رحمت سے ان سب کو معاف کر دیا اور فرمایا (لَا تَثْرِیبَ عَلَیکُمُ الیَومَ) (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مسلمان ہونے کی شرط بھی عائد نہ فرمائی، سب کو معاف فرما دیا، فتح مکہ کے روز پرچم اسلام ایک صحابی کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتے ہوئے بلند آواز سے کہا الیوم یومُ الملحمہ یعنی ''آج خوں ریزی کا دن ہے'' تو نبی کریم علیہ السلام نے فوراً اس کے ہاتھ سے پرچم لے کر ایک دوسرے صحابی کو عطا کیا اور فرمایا الیوم یوم الرَّحمۃ یعنی ''آج رحمت کا دن ہے'' عفو عامہ اور لطف کریمانہ کا دن ہے۔

حضور کی اسی رحمت وشفقت اور عفو ودرگزر کی بنا پر اکثر وبیشتر لوگ مسلمان ہو گئے۔ نبی علیہ السلام نے ایک عالمگیر انسانی برادری تشکیل کرنے کے لیے رنگ، نسل اور وطن کی تمام شرائط کو مکمل طور پر منسوخ قرار دیا۔ میثاق مدینہ کی رو سے تمام لوگوں کے حقوق وفرائض متعین فرمائے۔ یہ کہ ''بنی عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ ایک امت (گروہ) ہوں گے اور اخراجات کے ذریعہ دشمنان اسلام کے خلاف مسلمانوں کی مدد کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی کہ یہود اپنے دین پر کاربند رہیں گے اور اہلِ ایمان اپنے دین پر''۔ (۵)

علامہ اقبال لکھتے ہیں ''اسلام ہی وہ سب سے پہلا دین ہے جس نے غلامی کے خلاف اقدام کیا اور آزادی کو انسان کا فطری حق قرار دیا۔ سب سے پہلے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو فطری آزادی کی تعلیم دی اور غلاموں اور آقاؤں کے حقوق مساوی قرار دے کر اس تمدنی انقلاب کی بنیاد رکھی جس کے نتائج کو اس وقت تمام دنیا محسوس کر رہی ہے۔ (۶)

احترام انسانی کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الخلق عیال الله ''فرما کر ساری مخلوق کو خدا کا کنبہ قرار دیا اور ''جُعِلَت لَنَا الارضَ کُلُّهَا مَسجِداً'' فرما کر ساری روئے زمین کو اپنی مسجد بتایا۔ نسلی، لسانی اور علاقائی قومیت کے تمام بت پاش پاش کر دیے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں عرب وعجم، اسود واحمر اور بندہ وآقا کی تمیز وتفریق کو مکمل طور پر ختم کر دیا، حقیقی جمہوریت اور انسانی حقوق کے ایسے جامع وکامل اصول قائم فرمائے جن کی مثال آج بھی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے.

اسلام سراسر رحمت اور سلامتی کا دین ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی مسلمان کسی دوسرے شخص سے ملتا یا خطاب کرتا ہے تو اسے السلام علیکم کہتا ہے۔ یعنی ''تم پر سلامتی ہو''۔ اسلام میں کسی شخص کے خلاف نفرت اور حقارت کا تصور بھی نہیں پایا جاتا۔ مشرق ومغرب اللہ کے ہیں ولله المشرق والمغرب مخلوق سے محبت ہی خالق

برتر از گردوں مقام است　　　اصل تہذیب احترام آدم است

اقبال رقم طراز ہیں:

اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام بنانا قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے اور کوئی اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔''(۷)

تقریبا ایسے ہی الفاظ میں مغرب کے فلسفی شاعر گوئٹے نے اسلام پر من حیث الکل تبصرہ کرتے ہوئے اپنے دوست ایکرمن سے کہتے تھے ''تم نے دیکھا اس تعلیم میں کوئی خامی نہیں، ہمارا کوئی نظام اور ہم پر کیا موقوف ہے، کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا''(۸)

نبی کریم علیہ السلام نے اپنی بعثت کا باعث حسن اخلاق کی تکمیل قرار دیا اور فرمایا ''بُعِثتُ لِاُتَمِّمَ حُسنَ الاَخلاقِ'' مجھے اس لیے بھیجا گیا، تاکہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں، علامہ اقبالؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے انسان کامل کا تصور کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا جو شخص بھی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے وہ انسان کامل بن جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک مسلمان کی شناخت نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی پیروی ہے۔ اسی بنا پر علامہ اقبالؒ نے کہا کہ:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ است   اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است (ارمغان حجاز)

اچھے اخلاق سے مراد دوسروں کے ساتھ ارادۃً اور عملاً اچھا رویہ رکھنا ہے، مسلمانوں کے علاوہ اہلِ کتاب اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی اچھا رویہ رکھنا مسلمان کی شناخت ہے، مسلمان کے لیے نہ صرف غیر مسلموں کے جان و مال، بلکہ ان کی عبادت گاہوں کا تحفظ اور احترام کرنا بھی ضروری ہے۔ اسلام اور مسلمان دو اصطلاحیں ہیں، دونوں کو علیحد علیحدہ دیکھنا چاہیے، ممکن ہے ایک شخص مسلمان ہو مگر اسلامی احکام کا پابند نہ ہو وہ اس صورت میں قابل تعزیر ہے۔

مسلمانوں کے لیے رہنما کتاب قرآن مجید ہے، جو کتاب اللہ ہے۔ اس کے احکام عالم انسانی کے لیے ہر زمانے میں فلاح و بہبود اور ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ قرآن فرقان ہے، جو حق و باطل میں تفریق کرتا ہے۔ اسی طرح بیت اللہ مسلمانوں کے لیے قبلہ کا تعین کرتا ہے۔ نبی کریم علیہ السلام نے مسلمانوں کے لیے بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنایا۔ یہ تمام مسلمانوں کی جداگانہ اور مستقل شناخت کی واضح دلیل ہے۔ مسجد کا قبلے کی طرف رخ بھی مسلمانوں کی جداگانہ شناخت کا اہم ذریعہ ہے، مسجد ساری دنیا میں مسلمانوں کے نظام حیات کو منفرد اور مشخص حیثیت عطا کرتی ہے اور نماز ایک ایسا عمل ہے جو طبقاتی امتیازات کو ختم کرتا ہے۔

اسلام میں جہاد انفرادی اور اجتماعی سطح پر اصلاح کی کوشش ہے۔ مروجہ اصطلاح میں جہاد دشمنوں سے جنگ کرنا ہے، لیکن صرف اس صورت میں جب غیر مسلم مسلمانوں پر حملہ کریں ورنہ نہیں، اسلام میں تسخیر ممالک کے لیے اور تبلیغ اسلام کے لے جہاد جائز نہیں، یہ صرف مسلم معاشرے کے دفاع کے لیے ہے تاکہ کوئی طاقت اسلامی معاشرے پر اثر انداز نہ ہو یا اس کو ختم نہ کر دے۔ اصولاً ہر مسلمان مجاہد ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے اندر بھی برائی کے خلاف کوشش کرتا ہے اور

معاشرے میں بھی حق کی ترویج کے لیے برائی کو روکتا ہے۔ یہ سب جہاد ہے۔

بھیک مانگ کر کھانے والا شخص یا معاشرہ کبھی اپنی شناخت برقرار نہیں رکھ سکتا، اسی لیے اسلام میں گدائی کو انتہائی مکروہ تصور کیا گیا ہے۔ آج جو مسلمان اقوام بھیک مانگ کر کھا رہی ہیں وہ اپنی شناخت قائم نہیں رکھ سکتیں۔ شناخت صرف غیور اقوام ہی قائم رکھ سکتی ہیں۔

''تو جھکا جب غیر کے آگے، نہ تن تیرا نہ من''

طاقتور قومیں کمزور قوموں کو کھا جاتی ہیں اور ان کی شناخت کو ختم کر دیتی ہیں۔ یہ عمل دو طرح سے انجام دیا جاتا ہے۔ ایک بزور شمشیر اور دوسرا بزور ثقافت، مغرب نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت ترقی کی اور مادی طاقت سے بہرہ مند ہوا۔ چنانچہ اس نے بہت سے مشرقی ممالک خصوصاً اسلامی ممالک کو تسخیر کر لیا۔ مغرب نے مسلم ممالک پر چار طرح کے حملے کیے جن سے ان کی شناخت ختم ہو جائے یا وہ خود ہی اپنے آپ کو بھول جائیں۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی یہ آیت نہایت قابل غور ہے

وَلَا تَكُونُو كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنسَاهُمُ اَنفُسَهُم (۹)

یعنی ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا تو وہ خود اپنے آپ ہی کو بھول گئے۔ اگر مسلمان خدا کو بھلا دیں گے تو اپنے آپ کو بھول جائیں گے اور ان کی شناخت مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔

علامہ اقبال نے خطبہ الہ آباد میں کہا تھا کہ ''مسلمانوں نے کبھی اسلام کی حفاظت نہیں کی بلکہ ہمیشہ اسلام نے مسلمانوں کی حفاظت کی ہے۔ اگر وہ اسلام سے وابستہ ہو جائیں گے تو بچ جائیں گے ورنہ اس طوفان سے انہیں کوئی چیز نہیں بچا سکتی''۔ یعنی اسلام ہی مسلمان کی حیات اور شناخت ہے۔ اقبال نے فرمایا:

اس دور میں سب مٹ جائیں گے ہاں باقی وہ رہ جائے گا
جو قائم اپنی رہ پہ ہے اور پکا اپنی ہٹ کا ہے (بانگ درا)

علامہ اقبال کے نزدیک اسلام کے بغیر مسلمان کا وجود قائم نہیں رہ سکتا، اسلام ہی مسلمان کی قومیت ہے اور اسلام ہی مسلمان کا گھر ہے۔ انہوں نے کہا: ''اسلامی تصور ہمارا وہ ابدی گھر یا وطن ہے جس میں ہم اپنی زندگی بسر کرتے ہیں، جو نسبت انگلستان کو انگریزوں اور جرمنی کو جرمنوں سے ہے وہ اسلام کو ہم مسلمانوں سے ہے''۔

اقبال نے مزید کہا:

''اسلام ہی وہ سب سے بڑا اجزو ترکیبی تھا، جس سے مسلمانان ہند کی تاریخ حیات متاثر ہوئی، اسلام ہی کی بدولت مسلمانوں کے سینے ان جذبات وعواطف سے معمور ہوئے جن پر جماعتوں کی زندگی کا دارومدار ہے اور جن سے متفرق و منتشر افراد بتدریج متحد ہو کر ایک متمیز اور متعین قوم کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور ان کے اندر ایک مخصوص اخلاقی شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ (۱۰)

''اگر اکبر کے دین الٰہی یا کبیر کی تعلیمات عوام الناس میں مقبول ہو جاتیں تو ممکن تھا کہ ہندوستان میں بھی اس قسم کی ایک نئی قوم پیدا ہو جاتی لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف مذاہب اور جاتیوں میں کوئی ایسا رجحان موجود نہیں کہ وہ اپنی انفرادی حیثیت کو ترک کر کے ایک وسیع جماعت بن جائیں''۔

ہندوستان میں تمام مسلمان حکمرانوں نے اپنی حکومت کی شناخت دین اسلام کو قرار دیا اور ہر حکمران نے اپنے آپ کو دین اسلام کے مبلغ و محافظ اور اس کی عظمت کے مظہر و مؤید کے طور پر ملقب کیا۔ اس حوالے سے اکثر سلاطین کے نام اور القاب قابل توجہ ہیں۔ مثلاً: معزالدین غوری، قطب الدین ایبک، شمس الدین التتمش، رکن الدین فیروز شاہ، غیاث الدین بلبن، علاء الدین محمد شاہ، ظہیر الدین بابر، نصیر الدین ہمایوں، جلال الدین اکبر، نور الدین جہانگیر، شہاب الدین شاہجہاں اور محی الدین اورنگزیب عالمگیر وغیرہ۔

قائد اعظم نے فرمایا تھا:

ہم اپنی مخصوص تہذیب اور تمدن، زبان اور ادب، فن اور معماری، نام اور القاب، اقدار اور تناسب، قوانین اور اخلاق، رسوم اور تقویم، تاریخ اور روایات، رجحانات اور خواہشات کی حامل قوم ہیں۔ (۱۱)

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا ہے تاکہ ہمارا تشخص قائم رہے (یَا اَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتخِذُو الیَهُودَ وَالنَّصَارٰی اَولِیَاء) (المائدہ ۵۱) مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ مصلحت وقت کے تحت اسلامی اصول و ضوابط سے کسی طرح کا انحراف کرے، علامہ اقبال نے کہا: ''اسلام ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کے کسی اور آئین سے کسی قسم کا راضی نامہ یا سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں، بلکہ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ ہر دستور العمل جو غیر اسلامی ہو، نامعقول و مردود ہے۔

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے　　　شرکت میانہ حق و باطل نہ کر قبول

ہر قوم کا اصل سرمایہ اس کا شناختی شعور ہوتا ہے، جسے علامہ اقبال خودی یا خود شناسی سے تعبیر کرتے ہیں۔ طاقتور اقوام پہلے کمزور اقوام کی شناخت کو ختم کرتی ہیں پھر ان کے لیے ان کا نگلنا آسان ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کمزور اقوام ایک بے ہوش شخص کی طرح کوئی مزاحمت نہیں کرتیں۔ چنانچہ آج مغرب کی طاقتور اقوام مشرق کی کمزور اقوام کو اپنی مخصوص تعلیم سے خود فراموش اور بے ہوش کر رہی ہیں۔ حضرت علامہ اقبال نے اہل مغرب کی زبان سے کہا:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو　　　ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر (ضرب کلیم)

مسلمان کی شناخت ختم کرنے کے لیے مغربی اقوام کا جو ایجنڈا ہے اسے علامہ اقبال نے ستر سال پیشتر بڑی وضاحت سے یوں بیان فرمایا:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　　روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات　　　اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دین کا ہے یہ علاج　　　ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اقبال کی نوا سے ہے لالے کی آگ تیز　　　ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

جس طرح مسلمانوں کی اصل شناخت اسلام ہے۔ اسی طرح مغربی اقوام کی شناخت وطن، زبان اور نسل ہے۔ یہ تینوں عنصر وحدت انسانی کو پارہ پارہ کرنے والے ہیں۔ چنانچہ اکثر جنگوں کی وجہ یا وطن ہوتا ہے یا زبان یا نسل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں شرائط کو منسوخ فرمایا اور وحدت انسانی کے لیے توحید کا درس دیا۔ کفار مکہ کا وطن، ان کی زبان اور نسل حضور کے ساتھ ایک ہی تھی، لیکن آپ نے ان شرائط کو وحدت انسانی کی راہ میں مانع قرار دیتے ہوئے مسترد فرمادیا، مغربی اقوام کی اساس آج یہی تین عناصر ہیں۔ اقبال نے کہا:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک ونسب پر انحصار — قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

مسلمانوں کے لیے واجب ہے کہ وہ بہرحال دنیا میں اپنی اسلامی شناخت کو قائم رکھیں جو صرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی سے ممکن ہے، یعنی محبت واخوات، حریت ومساوات، عفوودرگزر اور شفقت ورحمت اور یہی تکریم انسانی کے اصول ہیں۔

☆ ☆ ☆

حواشی و مراجع

(۱) الاسرآء، ۱۷.

(۲) البقرۃ، ۳۰.

(۳) الانعام.

(۴) الانبیاء

(۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور ۱۹۸۲ء، محمد ﷺ ص ۱۶۲.

(۶) مقالات اقبال ص ۸۱.

(۷) مقالات اقبال ص ۲۶۵.

(۸) اقبالؒ۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، لاہور ۱۹۸۵، ص ۱۳

(۹) الحشر ۱۹

(۱۰) حرف اقبال ص ۲۰

(۱۱) جناح کری ایٹر آف پاکستان ص ۱۴۹

(۱۲) المائدۃ ۵۱

(۱۳) مقالات اقبال، ص ۲۶۴